سہ گوش

ہر کردار کی ہے اپنی کہانی

زین علی کے قلم

سہ گوش

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

از قلم زین علی

All Rights Reserved

Copyright: Zain Ali (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ضروری بات

سہ گوش کے تمام جملہ حقوق لکھاری "زین علی" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

قسط نمبر:01

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ہر کردار کی ہیں اپنی کہانیاں
ہر کہانی میں ہیں کئی کردار
کبھی بارش ہے کبھی دھوپ سی
یادیں ہیں ہر بارش میں
ہر دھوپ میں ہیں کئی چاہتیں
کہیں سرخ سا موسم ہے
کبھی راتیں گہری سیاہی سی
کچھ باتیں ہیں کچھ وعدے ہیں
کچھ بھولے بھٹکے کاغذ ہیں
محبت بھی ہماری اس سہ گوش میں
اس محبت کے ہیں کئی ٹکرے
الجھی ہیں کہانیاں آپس میں بہت
جڑے ہیں بہت سے رشتے
محبتیں کچھ ادھوری ہیں
کچھ محبتوں میں ہے دھوکے بازی
کچھ دوست ہیں بہت پرانے بھی
کچھ دشمن نئے بنائے ہیں
کچھ ادھ کھلے صفحات بھی ہیں ماضی کے
بات مستقبل کی بھی ہونی ہے
کہانی چلے گی حال کی بھی ساتھ
کہانی ہے قتل، محبت اور دشمنی کی

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کہانی ہے دوستی، نفرت اور حسد کی
کہانی سہ گوش سی، کہانی سہ گوش کی

---☆☆☆---

وہ نیو ٹاؤن پارک کے ایک بینچ پہ بیٹھی مسلسل گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے سیاہ سفید قمیض اور سیاہ جینز پہن رکھی تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ اسکی کالی آنکھوں کو کسی کا انتظار تھا۔

اسکی آنکھوں میں بے چینی تھی۔

دفعتاً ایک لڑکا پارک میں داخل ہوا۔ اونچے قد اور خوبصورت گھنگھریالے بالوں والا نوجوان لڑکا۔ اسکی نظریں کسی کو تلاش کرنے لگیں۔ اسے بینچ پہ بیٹھی لڑکی دکھائی دی۔

لڑکی نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ لڑکی کی آنکھوں کے بے چینی کچھ کم ہوئی۔

لڑکا چلتا ہوا لڑکی کے قریب آیا۔ لڑکی اٹھی اور اسکے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ اسے زخمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" لڑکا بولا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

لڑکی خاموشی سے بیٹھ گئی۔ وہ بھی اسکے ساتھ بیٹھ گیا۔

"کیسی ہو؟"

لڑکی اب اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ بلکل سامنے درخت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ خفا سی بیٹھی تھی۔

"میری طرف دیکھو۔" لڑکا بولا۔

"ناراض ہو؟"

"میں ٹھیک نہیں ہوں۔ بھائی کو تمہاری خبر لگ گئی ہے۔ انہوں نے میری منگنی کرنے کی بات کی ہے ابا سے۔" لڑکی نے اسکی طرف رخ کیا۔

"ہم کہیں دور چلیں جائیں گیں۔" لڑکا جذباتی لہجے میں بولا۔

"تم شاید میرے خاندان سے واقف نہیں ہو۔" لڑکی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "ہم بھاگ نہیں سکتے۔"

"تم تو مجھے جانتی ہو نا۔" لڑکے نے نرمی سے اسکا ہاتھ پکڑا۔

" کبھی کبھی لگتا ہے کہ ہم بچھڑ جائیں گیں۔" اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"محبت کرنے والوں کے جڑے ہوئے دل کبھی جدا نہیں ہوتے۔" لڑکے نے تکلیف سے اسکا چہرہ دیکھا۔

آسمان پہ بادل چھائے بادل گرجنے لگے۔ سیاہ بالوں میں سفید سی بجلی چمکتی تھی۔

"مجھے جانا ہے۔ پھر ملتے ہیں۔" لڑکی نے چھاتہ کھول کر سر کے اوپر کیا۔ "میں نہیں چاہتی بھائی کو مزید غصہ آئے۔"

وہ باہری گیٹ کی طرف چل دی۔ ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔

"کب ملو گی۔" لڑکے نے پیچھے سے آواز دی۔

لڑکی نے مڑ کر دیکھا۔ اسکی نم آنکھوں میں اداسی تھی۔

"جلد ہی۔"

اس نے واپس رخ موڑا اور پارک سے باہر نکل گئی۔ ایک کالی کار باہر اسکا انتظار کر رہی تھی۔

وہ وہیں بیٹھا بارش سے بھیگنے لگا۔

---☆☆☆---

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ وہی پارک تھا لیکن رات ہو چکی تھی۔ کچھ بدلا سا تھا۔ سارا دن بارش ہونے کی وجہ سے گھاس میں پانی بھر گیا تھا۔ اس نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ اسکے کندھے پہ ایک بیگ لٹکا ہوا تھا۔

"وہ رہا!"

گیٹ سے چار پانچ آدمی داخل ہوتے ہوئے اسے دکھائی دیے۔ ہٹے کٹے بدمعاش نما آدمی اور ایک جوان لڑکا۔

"پکڑو اسے!" جوان لڑکے نے چلاتے ہوئے دوسرے آدمیوں کو حکم دیا۔

وہ تیزی سے اٹھا اور پارک کے پچھلے دروازے کی طرف بھاگا۔ گھاس میں بھرا پانی اچھل اچھل اسکے کپڑوں اور آس پاس اڑ رہا تھا۔ وہ اسے ہی پکڑنے آئے تھے اور وہ یہ بات اچھے سے سمجھ گیا تھا۔

آدمی بھی اسکے پیچھے لپکے لیکن وہ دروازہ پلانگ کر بھاگ چکا تھا۔

"جانے دو اسے۔" اسی لڑکے نے دوسرا حکم صادر کیا۔

"یہ ہم سے بھاگ نہیں سکتا۔" وہ بڑبڑایا۔

وہ بھاگتا ہوا نا جانے شہر کے کس حصے میں پہنچ چکا تھا۔ اس کے کندھے پہ لٹکتا بیگ جھول رہا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو پیچھے گلی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ پیچھا کرنے والے دور کہیں پیچھے رہ گئے تھے۔ شاید وہ اسکا پیچھا کرنے نہیں آئے تھے۔

وہ گلی میں مزید آگے آ گیا۔ اس نے منہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پہ کالے طوفانی بادل چھائے ہوئے تھے۔ بارش کا ایک ننھا قطرہ اسکی گال پہ گرا اور دوسرے پل بارش ہونے لگی۔

سرد ہوائیں اور تیز بارش۔

اسکے ماتھے پہ آیا پسینا بارش کے قطروں سے دھل گیا اور وہ بارش میں پوری طرح سے بھیگ گیا۔ وہ بھاگ کر گلی میں لگے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے گھنگھریالے بال اسکے ماتھے پہ چپک گئے تھے۔

اس نے جیب سے اپنا موبائل نکالا اور ایک نمبر ملانے لگا۔ بادل گرجنے لگے اور بارش مزید تیز ہو گئی۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے کال پہ رابطہ قائم ہوتے ہی کہا۔

---☆☆☆---

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے بارش کو زمین پہ گرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسکے چہرے پہ ناگواری نمایاں تھی۔ بارش کی بوندیں کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا کر نیچے کی طرف بہتی ہوئی بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

اسکے فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو۔۔۔" وہ موبائل کو کان سے لگاتے ہوئے بولی۔

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔۔۔"

اس نے فون کان سے ہٹایا اور اپنے بیڈ پہ اچھال دیا۔ موبائل کی سکرین روشن ہوئی اور گلابی پھولوں والا وال پیپر لاک سکرین پہ دکھائی دیا۔

---☆☆☆---

شہر سے دور چمن پور نامی گاؤں میں بھی بارش ہو رہی تھی۔

"یہ بارش تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔"

"تمہیں کوئی مسئلہ ہے بارش سے۔" اسکے چھوٹے بھائی نے منہ بنا کر کہا۔

"کبھی تھا تو نہیں۔۔۔ اب شاید ہے۔"

"کیا کہا؟"

"کچھ نہیں، سونا نہیں کیا صبح سکول نہیں جانا تم نے۔"

"صبح اتوار ہے بھائی۔" چھوٹے نے منہ بنا کر کہا اور باہر آسمان سے گرتے ہوئے پانی کو دیکھنے لگا۔

اسکا بڑا بھائی اٹھا اور بستر پہ گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔

"یہ بارش۔۔۔" وہ اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

کچھ لوگوں کیلیئے بارش اتنی اہم نہیں ہوتی

اور

کچھ کیلیئے یہ زندگی مل جانے کے برابر ہوتی ہے

---☆☆☆---

اسی گھر کے پڑوس میں ایک لڑکی چارپائی پہ بیٹھی ہوئی کسی گہری سوچ میں کھوئی ہوئی تھی۔

"رانی۔۔۔ آج چودھری کی حویلی کھانا بنانے کیوں نہیں گئی۔" اسکی ماں نے اسکے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بس امی دل نہیں تھا۔" وہ بنا ماں کو دیکھے دھیرے سے بولی تھی۔

اسکی آنکھوں میں کچھ الگ سا تھا، کوئی الجھن سی۔

"کل تو جائے گی نا۔ آج بھی بیگم پوچھ رہی تھی تیرا۔"

"ہاں جاؤں گی۔ اچھا امی نیند آئی ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔" وہ اٹھی اور اندر اپنے اور اپنی چھوٹی بہن کے مشترکہ کمرے کی طرف چلی گئی۔

"اچھا۔۔۔" اسکی ماں چارپائی پہ بیٹھی بارش کو گرتا ہوا دیکھنے لگی۔

---☆☆☆---

بارش ساری رات ہوتی رہی اور بارش کے پانی سے سارا شہر بھیگ گیا۔

سورج کی پہلی کرن درخت کے نیچے بیٹھے لڑکے کے نم چہرے پر پڑی۔ اس نے اٹھتے ہوئے کندھے پر بیگ لٹکایا اور گلی سے باہر نکل آیا۔ وہ صبح کی نیم روشنی میں سڑک کی طرف نکل آیا تھا۔

"اب کہاں جاؤں۔" اس نے خود سے ہی پوچھا۔

کسی شعوری خیال کے تحت وہ واپس مڑا اور دوسری سڑک کی طرف چل دیا۔ اسے پتا تھا، اسے کہاں جانا ہے۔

کبھی کبھی ہمیں پتا ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور کبھی کبھی قسمت ہم سے کچھ کروا دیتی ہے۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب سے دو کریڈٹ کارڈ اور ایک موبائل فون نکلا۔ وہ کندھے پر لٹکائے بیگ کو دیکھ کر اداس سا مسکرایا۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور چلنے لگا۔

وہ نا جانے کس سے بھاگ رہا تھا۔

"اب بس میرے پاس ایک ہی راستہ ہے۔" اس نے خود سے ہی کہا۔

اس کے کپڑے بھیگے ہوئے۔ وہ دھیرے دھیرے ایک طرف چلنے لگا۔

---☆☆☆---

روشن ٹاؤن کی ایک شاندار کوٹھی میں صبح صبح ہی کسی بات پہ بحث ہو رہی تھی۔ بحث کہنا کم لگے گا لڑائی کہا جائے تو بہتر رہے گا۔

اس شاندار کوٹھی کو "مرید ہاؤس" کہا جاتا تھا۔

اُس نے غصے سے سجاوٹ والے پودے کو اٹھا کر فرش پہ دے مارا۔ کانچ کا گملا جو چھن سے ٹوٹا اور بکھر گیا البتہ پلاسٹک کا بنا پھول اچھل کر دروازے کے سامنے جا گرا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے میرب۔"

"تو آپکو یہ بدتمیزی لگ رہی ہے اسکی۔ یہ بدتمیزی نہیں پاگل پن ہے۔" تنزیلہ نے چیخ کر کہا۔ "اسکو پاگل خانے داخل کروادیں نہیں تو یہ کسی دن میرا گلا ہی چاقو سے کاٹ دے گی۔"

"تم کون ہوتی میرے بارے میں فیصلہ کرنے والی۔۔۔ بلکہ تم میرے بارے میں بات بھی کیوں کر رہی ہو! جاؤ میرے باپ کا پیسہ اڑاؤ مہنگی فضول چیزوں پہ۔" لہجے میں بھرپور طنز تھا۔

"خود ہی دیکھ لیں۔" تنزیلہ نے صوفے پہ بیٹھے مرید صاحب سے کہا۔

وہ اس روز روز کی لڑائی اور بحث کے عادی ہو چکے تھے۔

"دیکھ رہا ہوں اور سوچ بھی رہا ہوں۔" وہ نرم لہجے میں بولے۔

مرید صاحب اور تنزیلہ کی شادی ایک سال پہلے ہوئی تھی۔ تنزیلہ کی عمر میرب سے چند برس ہی زیادہ تھی۔ میرب جو کہ مرید صاحب اور انکی پہلی بیوی امارا کی اولاد تھی۔ امارا تقریباً چار سال پہلے مرید ہاؤس سے اچانک کہیں غائب ہو گئی تھیں اور آج تک گمشدہ ہیں۔ ایک سال پہلے مرید صاحب کی شادی تنزیلہ سے ہوئی تب سے ہی میرب کو اپنے باپ کی دوسری شادی سے بہت مسئلہ تھا اور ہمیشہ تنزیلہ اور اسکے جھگڑے ہوتے تھے۔

"مرید پلیز اس سے کہہ دے کہ یہ اپنے کمرے میں چلی جائے۔" تنزیلہ نے اس بار غصے سے کہا۔

مرید صاحب صوفے پہ خاموش بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔ وہ آنے والے کل کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

"کسی کو نہیں ضرورت کہنے کی میں خود ہی جا رہی ہوں۔" میرب پیر پٹکتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔

" سمجھتی کیا ہے وہ خود کو۔" اس نے شیشے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے خود سے ہی کہا۔ اسکا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

---☆☆☆---

یہاں سے دور ایک مصروف بازار میں چلتا ہوا وہ لڑکا "رستم گلی" میں گھس آیا اور گلی میں دائیں بائیں دیکھتا ہوا ایک مکان کے سامنے رکا۔ مکان کافی پرانا لگ رہا تھا۔ مکان کے باہر لکڑی کی پرانی سی تختی لگی ہوئی تھی جس پہ سیاہ رنگ سے "قمر گھرانہ" لکھا ہوا تھا۔

رستم گلی شہر کے پرانے اور اندرون علاقے میں واقع تھی۔ اس گلی کے زیادہ مکان بہت پرانے تھے۔

آگے بڑھ کر اس نے لکڑی کے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔" دروازے کے اُس پار سے کسی لڑکی کی آواز ابھری۔

"میں کمیل ہو۔"

"کون۔۔۔ کمیل؟"

" کمیل۔۔۔ چچا قمر کا بھتیجا۔۔۔ رضوان رحمت کا بیٹا۔" اس نے ارد گرد دیکھتے ہوئے بتایا۔

دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی بیس اکیس برس کی خوش شکل لڑکی تھی۔ اس نے گلابی رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔

لڑکی نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ " آجائیں اندر۔" لڑکی کو اسکی شکل جانی پہچانی لگ رہی تھی۔

وہ خوش شکل اور اونچے قد والا جوان لڑکا، اس نے پہچان لیا تھا۔

وہ ایک طرف ہو گئی اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

صحن میں لگے درخت کی چھاؤں سارے صحن میں ہو رہی تھی۔ صحن میں ایک طرف لگا برگد جو کہ آدھے صحن کو چھاؤں دیتا تھا۔

وہ اسے ایک کمرے میں بٹھا کر خود ساتھ والے کمرے میں آ گئی۔ سامنے بیڈ پہ ایک بوڑھی عورت چادر اوڑھے لیٹی تھی۔ شاید سو رہی تھی۔ شاید بیمار تھی۔

"امی۔۔۔" اس نے پاس آ کر اپنی ماں کو آواز دی۔

"ہاں صلومی۔۔۔"

"رضوان تایا کا بیٹا کمیل آیا ہے۔" اس نے آنے والے مہمان کی خبر دی۔

"اچھا۔۔۔ بھیجو اسے اندر اور چائے بنا کر لے آؤ۔" ماں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ حیران سی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد کمیل کمرے میں داخل ہوا۔ "اسلام علیکم چچی۔"

"وعلیکم اسلام بیٹا۔ آؤ بیٹھو یہاں۔" انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"ویسے مجھے پوچھنا تو نہیں چاہیئے لیکن۔۔۔ تم اچانک اتنے سال بعد یہاں کیوں آئے ہو۔" انہوں نے غور سے اسکا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ ایک عرصے بعد اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ پہلے سے بدلا ہوا لگ رہا تھا۔

صلومی دودھ پتی رکھ کر کمرے سے نکل گئی۔

"چچی۔۔۔" اور پھر اس نے اپنے یہاں آنے کی وجہ بتا دی۔ چچی خاموشی سے سب کچھ سنتی رہیں۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ چچی کو کافی عرصے بعد دیکھ رہا تھا۔ وہ وقت سے پہلے ہی بوڑھی سی لگ رہی تھیں۔ کچھ بال بھی سفید نکل آئے تھے۔

کچھ دیر بعد چچی نے آواز لگائی۔ "صلومی بیٹا۔۔۔ یہ چائے کے برتن لے جاؤ۔"

کمیل نے اندر آتی صلومی کو ایک نظر دیکھا۔ ایک پل کیلئے دونوں کی نظریں ملیں اور دوسرے ہی پل وہ برتن اٹھا کر باہر نکل گئی۔

کمیل دوبارہ چچی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

لیکن گزرے ہوئے اس لمحے میں کچھ خاص ہوا تھا۔ محبت کے بادل انکی زندگیوں میں آنے والے تھے اور وہ اس بات سے بے خبر تھے۔

---☆☆☆---

ہاسٹل کے کمرے میں ایک جوان لڑکا بیڈ پہ بیٹھا کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔

"اسے کہہ دینا کہ میں کل آؤں گا۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ لڑائی نہیں ہوئی خفا ہے وہ مجھ سے۔۔۔ مجھے کیا پتا اب۔"

اس نے فون کان سے ہٹایا اور بیڈ پہ اچھال دیا۔ وہ چلتا ہوا کمرے میں لگے چار فٹ کے شیشے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

وہ اونچے قد اور کثرت شدہ جسم کا مالک ایک حسین جوان لڑکا تھا۔ اسکی گہری کالی آنکھیں اور گندمی رنگت کسی کو بھی اس کی محبت میں گرفتار کروا سکتی تھی۔

اس نے چند زاویوں سے اپنا چہرہ دیکھا اور پھر بستر پہ آکر گر گیا۔

---☆☆☆---

لوگ اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے جب اچانک علاقے میں شور برپا ہو گیا۔

اس لاش کی خبر جنگل میں لگی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ ویسے بھی یہ چھوٹا سا گاؤں تھا ہر کوئی ہر کسی کو جانتا تھا۔ لاش کی خبر سن کر سب لوگ ندی کنارے جمع ہونے لگے۔ لاش کو ندی سے کچھ آگے لے آیا گیا اور پھر مقامی پولیس کو اطلاع کی گئی۔ گاؤں والے اندازے لگاتے، سرگوشیاں کرتے ہوئے پولیس کا انتظار کرنے لگے۔

یہ رانی کی لاش تھی۔ تایا رجب کی بڑی بیٹی رانی۔ وہی رانی جو اپنے باپ کی لاڈلی بیٹی اور اپنی ماں کی چہیتی تھی۔

اِسی گاؤں میں شفیق اور اسکے دو بیٹے، بڑا بیٹا احسان اور چھوٹا احسن رہتے تھے۔ شفیق پیشے سے کسان تھا جسکی تھوڑی سی اپنی زمین تھی جس پہ وہ موسمی فصل اگاتا اور پھر سبزی منڈی میں بیچتا تھا۔ احسان بھی کھیت میں اپنے باپ کی مدد کرتا جبکہ احسن قریبی سکول میں پڑھتا تھا۔

شفیق بھی رجب کی بیٹی کو جانتا تھا۔ رجب، اپنی بڑی عمر کی وجہ سے تایا رجب کے نام سے مشہور تھا۔ شفیق اور تایا رجب کی اس جان پہچان کی ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں پڑوسی بھی تھے۔ رجب بھی شفیق کی طرح کھیتوں میں کام کرتا تھا لیکن چودھری کے کھیتوں میں۔

"میری رانی۔۔۔ میری بیٹی۔۔۔" رانی کی ماں کو شدید صدمہ لگا تھا۔

سب لوگ رانی کی لاش کے ارد گرد کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ پولیس وہاں پہنچی تو سب لوگ ذرا پیچھے ہٹ گئے۔ رانی کی ماں سلمہ لاش کے قریب بیٹھی بنا آواز کے رو رہی تھی۔ وہ جیسے ابھی اسکی موت کو قبول نہیں کر رہی تھی۔

"بی بی ذرا پیچھے ہٹ جائیں۔" آنے والے انسپکٹر نے کہا۔

رجب نے اپنی بیوی کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے پیچھے کیا جو کہ خود بھی بے حد پریشان اور غمزدہ لگ رہا تھا۔ رانی کی بہن بھی رجب کے ساتھ پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی رو رہی تھی۔

انسپکٹر رانی کی ڈیڈ باڈی کو غور سے دیکھنے لگا۔ گردن اور چہرے پہ زخموں کے نشان تھے۔ گردن پہ ہاتھوں کے نشان تھے۔ خون جما ہوا تھا زخموں پہ۔

شاید کسی نے اسکا گلا دبایا تھا۔

"سب سے پہلے لاش کس نے دیکھی۔" کانسٹیبل بلند آواز میں چیخا۔

"میں نے صاب جی۔" ایک بارہ تیرا سالہ لڑکا آگے آیا۔

"بتاؤ تم نے کیا دیکھا۔"

"صاب جی آج اتوار ہے تو میں ابو کیلئے کھانا لے کر ندی کے پار جانے کیلئے لکڑی کے پل کی طرف جا رہا تھا۔" ہاتھ سے ندی کی طرف اشارہ کیا۔ "جب مجھے دو آدمی نظر آئے۔ انہوں نے اپنے منہ چھپا رکھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ پل سے نیر (ندی) کے اس پار کھیتوں کی طرف بھاگ گئے۔ تب مجھے رانی باجی زمین پہ گری ہوئی نظر آئی۔ میں باجی کی طرف بھاگا اور انہیں آواز دی۔ لیکن وہ ہلی نہیں تو میں نے دُور سے آتے ہوئے رجب تایا کو آواز دی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارا گاؤں یہاں جمع ہو گیا۔"

"اور وہ آدمی، وہ کس حلیے میں تھے۔" انسپکٹر نے غور سے اسکا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"انہوں نے منہ چھپائے ہوئے تھے اور کالے سے کپڑے پہن رکھے تھے۔" لڑکا یاد کرتے ہوئے بولا۔

"کسی نے کچھ اور دیکھا کیا۔" کانسٹیبل نے بلند آواز میں پوچھا۔

سب خاموش رہے۔

کیا لڑکے کے سوا کسی نے کچھ نہیں دیکھا تھا؟

"پتا کرو ندی کے اس طرف کسی نے کچھ دیکھا کیا؟" انسپکٹر نے کانسٹیبل کو قریب بلاتے ہوئے کہا اور وہ "جی جناب کرتا ہوں پتہ" کہہ کر سب سے سوال کرنے لگا۔

انسپکٹر دھیرے دھیرے چلتا ہوا ندی والے پل پہ آ گیا۔ یہ چھوٹا سا لکڑی کا پل تھا۔ اس نے کھیتوں کی طرف دیکھا۔ دُور دُور تک فصل دکھائی دیتی تھی۔

آخر یہ قتل کس نے کیا ہو گا؟

اس سے بھی بڑا سوال ہے کہ کیوں کیا ہو گا؟

---☆☆☆---

قمر گھرانہ کے صحن میں ایک طرف درخت لگا ہوا تھا اور دوسری طرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو کہ ہمیشہ بند رہتا تھا۔ چھوٹے کمرے کے ساتھ کچن تھا اور درخت والی سائیڈ پہ اوپر جانے والی سیڑھیاں۔ نیچے دو کمرے تھے اور چھت پہ بائیں طرف ایک کمرہ تھا۔ اس کمرے کی صفائی کر کے کمیل کو دے دیا گیا تھا کیونکہ وہ اب چند ہفتے یہیں رہے گا۔

اسکا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ روز یہاں رہا جائے۔ چچی نے اسے یہاں رکنے کی اجازت دے دی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کمیل درخت کے نیچے بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا۔

"آپکو چائے لا دوں؟" صلومی نے پوچھا۔

"شکریہ لیکن تمہیں چائے بنانی نہیں آتی۔"

"کیا۔۔۔" صلومی کو جیسے کرنٹ لگا۔ "میں چائے اچھی نہیں بناتی؟" اسے جیسے یقین نہ آیا تھا اسکی بات کا۔

"نہیں۔۔۔ آؤ میں بتاؤں کیسے بناتے ہیں چائے۔" اتنا کہہ کر وہ کچن کی طرف چل دیا۔

وہ بھی اسکے پیچھے کچن میں آ گئی۔

"اچھی چائے وہی بنا سکتا ہے جسکو چائے کی عادت ہو۔" اس نے چولہے کی گیس آن کی اور پھر ماچس کی تیلی جلائی اور چولہے پہ رکھ دی۔ آگ جل اٹھی۔

"چائے کو بہت پیار سے بنایا جاتا ہے۔" اس نے چھوٹے سائز کی پتیلی کو چولہے پر چڑا دیا۔

"دودھ دو مجھے۔" کمیل نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ لیں۔" اس نے پلاسٹک کے شاپر میں رکھے دودھ کو اسکی طرف بڑھایا۔

"جو چائے پی کر جیتے ہیں، وہ چائے دیکھتے ہی بتا سکتے ہیں کہ چائے اچھی ہے یا بیکار۔"

صلومی اس بات پر کچھ شرمندہ ہوئی کیونکہ کمیل کو اسکی چائے بیکار لگی تھی۔

اس نے دودھ کو پتیلی میں ڈالا اور ابال آنے تک دودھ کو دیکھتا رہا۔

"جب ہم پتیلی پہ رکھے چائے کے دودھ کو اسکے ابلنے تک پیار سے دیکھتے ہیں تو تب چائے اچھی بنتی ہے۔" اس نے پتی کے تین چمچ ڈال کر چینی ڈالی اور چائے کو ڈوئی سے ہلانے لگا۔

"اس طرح محبت اور سکون سے چائے بناؤ تو چائے اچھی بنتی ہے۔"

صلومی نے کپ نکالے کیونکہ چائے اب تیار تھی۔ کمیل نے لگن سے تینوں کپوں میں چائے ڈالی۔

اس دوران وہ اسے دیکھتی رہی۔

"یہ چچی کو دے آؤ۔" اس نے ایک کپ کی طرف اشارہ کیا۔

چائے دے کر جب وہ واپس آئی تو وہ برتنوں کو سنک میں رکھ رہا تھا۔ وہ برتن رکھ کر مڑا تو وہ سامنے کھڑی کپ سے چسکی لگا رہی تھی۔

"کہنا پڑے گا۔۔۔چائے بہت ہی مزیدار ہے۔"صلومی نے دل سے تعریف کی۔

"اس کہتے ہیں چائے۔"وہ اتنا کہہ کر اپنا کپ اٹھا کر کچن سے نکل گیا۔

ایک پل کے لئے صلومی کا دل تیزی سے دھڑکا اور دوسرے ہی پل وہ چائے سے لطف اندوز ہونے لگی۔باہر جاتے کمیل کی دھڑکن بھی ایک پل کیلئے تیز ہوئی تھی۔

دونوں باہر بیٹھ کر چائے پی رہے تھے۔موسم پیارا سا ہو گیا تھا۔

"یہ چائے بنانا کہاں سے سیکھا آپ نے۔"صلومی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہوں۔۔۔میرا ایک دوست تھا وہ ایسی چائے بناتا تھا۔اس سے سیکھی تھی۔"اس نے بڑے شوق سے بتایا۔

"تھا مطلب۔۔۔وہ اب دوست نہیں رہا یا وہ اب چائے نہیں بناتا۔"

"وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔"

---☆☆☆---

روشن ٹاؤن میں بارش ہو رہی تھی۔

"آج شام روبی کے گھر آجانا۔۔۔ہاں میں بھی پہنچ جاؤں گی۔"میرب نے کان سے موبائل ہٹایا۔موبائل کی سکرین روشن ہوئی اور گلابی پھولوں والا وال پیپر دکھائی دیا۔

وہ صوفے سے اٹھی اور کھڑکی کے پردے ہٹانے لگی۔باہر بارش برس رہی تھی۔

"چھم۔۔۔چھم۔۔۔چھم برستی ہے بارش۔۔۔"اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

اسکے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

---☆☆☆---

رانی کی لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے شہر بھیج دیا گیا۔

"میں جانتا ہوں اس حادثے سے آپ ٹوٹ چکے ہیں لیکن میرے کچھ سوال ہیں۔" انسپکٹر بولا۔

اس وقت وہ رجب کے گھر کے کُھلے صحن میں بیٹھے تھے۔ انسپکٹر گاؤں والوں سے چند سوالات کر کے ادھر آ گیا تھا۔

"آپ پوچھیں۔" تایا رجب نے غمگین لہجے میں کہا۔

تائی سلمہ پاس بیٹھی سر پہ دوپٹہ باندھے آنسو بہا رہی تھی۔ وہ کمزور سی لگ رہی تھی۔

"اس گھر میں کون کون ہے اور کیا کرتا ہے۔ سب تفصیل سے بتائیں۔"

"ہم چار لوگ۔۔۔ تھے۔۔۔ جب رانی زندہ تھی۔ ہم چار لوگ تھے۔ میں، میری بُڑی (بیوی) سلمہ اور ہماری دو بیٹیاں۔ بڑی رانی تھی۔۔۔ گھر کے کام کرنے کے بعد دوپہر اور رات کا کھانا بنانے نئی حویلی جاتی تھی۔ نئی حویلی۔۔۔ چودھری کی ہے۔" تایا رجب نے بتایا۔ "میری چھوٹی بیٹی مریم سکول پڑھتی ہے۔ میں کسان ہوں۔"

"آپکی کسی سے کوئی لڑائی یا کوئی دشمنی۔" انسپکٹر فلک نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ ہماری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔" جواب سادہ لہجے میں دیا گیا تھا۔

"آپ کی کتنی زمین ہے۔"

"زمین نہیں ہے کوئی بھی ہماری۔۔۔ اس گھر کے سوا۔ میں فصل چودھری کی زمین پہ اگاتا ہوں۔ ٹھیکے پہ لے رکھی ہے زمین۔"

"سلمہ بی بی آپ نے کچھ نوٹس کیا ان دنوں رانی کے بارے میں۔"

تائی سلمہ نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ تایا رجب نے سر کو ہلکا سا ہلایا۔

"کچھ دن پہلے۔۔۔جب وہ چودھری کی حویلی سے واپس آئی تو بہت گھبرائی ہوئی لگی۔ اور کل وہ حویلی بھی نہیں گئی تھی۔ اسکی جگہ کھانا بنانے میں گئی تھی۔"

"اچھا۔۔۔اس نے گھبراہٹ کی وجہ بتائی تھی کیا؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"میرے پوچھنے پر اس نے "دل نہیں تھا" کہا اور سونے چلی گئی اور میں نے بھی زیادہ زور نہیں دیا۔ کاش میں پوچھتی۔۔۔میری بچی۔۔۔" تائی سلمہ نے پھر سے رونا شروع کر دیا تھا۔

اپنی جوان اولاد کو مری ہوئی حالت دیکھنا آسان نہیں ہوتا۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ بہت مشکل ہوتا ہے۔

"اسکی کوئی سہیلی ہے کیا؟" انسپکٹر نے اگلا سوال کیا۔

"حویلی کی ایک ملازمہ اسکی اچھی دوست تھی۔۔۔گڈی۔" رجب بولا۔

"اچھا۔۔۔ٹھیک۔ اور کچھ جو آپکو لگتا ہے مجھے معلوم ہونا چاہیئے۔"

دفعتاً دروازے پہ دستک ہوئی۔

"جیڑا وی اے اندر آجاوے۔" (جو بھی ہے اندر آجائے۔) رجب نے آواز لگائی۔

"اسلام علیکم تایا۔" احسان اندر داخل ہوا تو اسے تایا رجب اور تائی سلمہ چارپائی پہ بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔

چارپائی کے سامنے کرسی پہ ایک پولیس والا بیٹھا تھا۔

"سلام پتر۔۔۔" تایا رجب نے مختصر جواب دیا۔

"آپ جناب کون ہیں؟" انسپکٹر نے احسان سے پوچھا۔

"یہ شفیق کا منڈا (بیٹا) ہے۔" رجب نے بتایا۔

انسپکٹر نے احسان کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے احسان یہ کون کر سکتا ہے؟"

احسان چارپائی پہ بیٹھ گیا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" احسان نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"میں چلتا ہوں۔۔۔ انشااللہ جلد ہی قاتل پکڑا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو پھر چکر لگاؤں گا۔" انسپکٹر فلک کہہ کر باہر کی طرف چل دیا۔

"کچھ پتا چلا۔" احسان نے پوچھا۔

"انسپکٹر قاتل پکڑ لے گا۔ وہ قاتل پکڑ لے گا۔" تائی سلمہ کہتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"اچھا تایا۔۔۔ میں بھی چلتا ہوں۔ اپنا اور تائی کا خیال رکھو۔ تائی بہت دکھی لگ رہی ہے۔" کچھ دیر بیٹھنے کے بعد احسان بولا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

سوگ تو انہیں منانا تھا جنکی جوان بیٹی ان کو چھوڑ کر دوسرے جہاں جا چکی تھی۔ شاید کسی اور کو بھی اسکی موت کا غم ہو۔

شاید کسی اور کو بھی اس سے محبت ہو۔

---☆☆☆---

اس گھر سے دور حویلی میں بھی رانی کے قتل کی خبر پہنچ چکی تھی۔

اس حویلی کو سب نئی حویلی کے نام سے بھی جانتے تھے کیونکہ یہ حویلی بڑے چودھری نے اپنے بیٹوں کیلیئے بنوائی تھی۔ بڑے چودھری حویلی مکمل ہونے سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ بڑے چودھری کی تین اولادیں تھیں۔ بڑا بیٹا سلطان، چھوٹا بیٹا جہان اور ایک بیٹی چاندنی۔ اس وقت نئی حویلی میں چودھری سلطان کی فیملی رہتی

تھی۔ چودھری سلطان کی بیوی شازیہ بیگم کافی پڑھی لکھی اور سمجھدار خاتون تھی۔ ان دونوں کی چار اولادیں تھیں۔ بڑا بیٹا زمان علی جو کہ شہر یونیورسٹی میں پڑھتا تھا اور شہر ہی رہتا تھا۔ علی سے چھوٹی بیٹی مہرین جس کی شادی چھے ماہ پہلے اپنے ماموں کے بیٹے شماز سے ہوئی تھی اور وہ اس ملک سے دور کسی دوسرے ملک میں رہتی ہے۔ ان دونوں کے بعد جڑواں بہن بھائی تھے۔ ثمر اور ثمرہ، جو کہ گاؤں کے قریب بنے ہائی سکول میں پڑھتے تھے۔ بڑے چودھری کا چھوٹا بیٹا جہان جو کہ اپنے بھائی سے دور کہیں شہر میں رہتا تھا اور بیٹی جو کہ بہت سال پہلے یہاں سے جا چکی تھی۔ وہ تو شاید کسی کو یاد بھی نہ ہو۔

چودھری اور شازیہ بیگم اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جب ملازمہ نے دروازے پہ دستک دی۔

"اندر آجاؤ۔" شازیہ بیگم بولی۔

"بی بی جی نیچے انسپکٹر آیا ہے۔ وہ چودھری جی سے ملنا چاہتا ہے۔" اندر آنے والی ملازمہ گڈی تھی۔ بکھرے بالوں والی گڈی۔

چودھری سلطان صوفے سے اٹھے اور نیچے انسپکٹر کو ملنے چلا گئے۔

"بی بی جی رانی کے ساتھ بہت برا ہوا۔" گڈی نے افسوس سے کہا۔

گڈی رانی کی اچھی سہیلی تھی۔ گڈی کا باپ اپنی جوانی سے بڑے چودھری کی خدمت کرتا آیا تھا اور اب وہ اور اسکے بیوی بچے چودھری سلطان کے خاندان کی خدمت کر رہے ہیں۔

"انسپکٹر اس معاملے کو حل کر لے گا۔" شازیہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "گڈی۔۔۔ تم دونوں تو پکی سہیلیاں تھیں نا۔ اس نے کچھ ایسا بتایا جس سے لگے کہ اسکی جان خطرے میں ہے۔"

"نہیں بی بی جی اس نے کچھ بتایا تو نہیں لیکن کچھ دن سے وہ ڈری ہوئی اور پریشان سی لگ رہی تھی۔" گڈی نے بتایا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ جاؤ انسپکٹر اور چودھری صاحب کیلئے چائے بناؤ۔"

حویلی کی ایک طرف چودھری کا آفس اور مہمان خانہ بنا ہوا تھا۔ یہ مہمان خانہ خاص طور پہ چودھری نے اپنے مہمانوں کیلئے بنوایا تھا۔

"اسلام علیکم چودھری صاحب۔" انسپکٹر نے چودھری کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو صوفے سے اٹھ کر سلام کرنے لگا۔

چودھری نے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"وعلیکم اسلام۔۔۔ کہاں تک پہنچا معاملہ۔"

"تفشیش جاری ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"ویسے آپکا نام کیا ہے انسپکٹر صاحب۔"

"فلک۔۔۔ انسپکٹر فلک۔" اس نے بتایا۔ "اور چند ہفتے پہلے ہی میرا ٹرانسفر اس علاقے میں ہوا ہے۔"

---☆☆☆---

یہاں سے دور قمر گھرانہ کے چھت والے کمرے میں بیٹھا کمیل اپنے موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا جب صلومی نے دروازے پہ دستک دی۔

"آجاؤ صلومی۔" کمیل نے کہا۔

صلومی کمرے میں داخل ہوئی اور بیڈ کی ایک طرف بیٹھ گئی۔ دوسری طرف کمیل بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا فون ایک طرف رکھ دیا اور اسے دیکھنے لگا۔

"آپ اچانک رحمت منزل سے یہاں کیوں آگئے؟" صلومی نے پوچھا۔

چھے سال پہلے وہ سب ایک ساتھ ایک بڑی سی کوٹھی جسکا نام "رحمت منزل" ہے، میں رہتے تھے۔ خاندان کا سب سے بڑا بیٹا رضا جو کہ رشتے میں کمیل کے تایا لگتے ہیں۔ تایا رضا اور کلثم بیگم کی دو اولادیں تھیں، بڑا بیٹا آیان اور چھوٹی بیٹی زویا۔ دوسرے نمبر پہ کمیل کے ابا رضوان اور انکی بیوی انجم تھی۔ رضوان صاحب سے چھوٹا قمر تھا جنکی بیوی شمیم تھی اور انکی ایک پیاری سی بیٹی صلومی تھی۔ چھے سال پہلے دادا جب فوت ہوئے تو اسکے بعد دھیرے دھیرے سارا خاندان بکھر گیا۔

"تمہیں تایا رضا کا بیٹا آیان یاد ہے۔" کمیل نے جیسے اس کو یاد کروایا۔

صلومی نے سر کو ہلکا سا ہاں کی صورت ہلایا۔

"آیان اکثر تمہارے بارے میں بات کرتا رہتا تھا۔"

"کس طرح کی بات۔۔۔"

"یہی کہ ہم سب رحمت منزل میں ایک ساتھ رہتے تو کیا ہوتا۔ وغیرہ وغیرہ۔" کمیل نے بتایا۔ "پھر ہم بڑے ہو گئے اور بہت کچھ بدل گیا۔"

جس طرح وقت کے ساتھ موسم بدل جاتے ہیں۔۔۔ اسی طرح وقت کے ساتھ لوگوں کی عادتیں بدل جاتیں ہیں اور پھر لوگوں کے دل بدل جاتے ہیں۔

---☆☆☆---

وہ دونوں گھر کے لان میں رکھی کرسیوں پہ بیٹھی ہوئیں تھیں۔ یہ روبی کے گھر کا خوبصورت لان تھا۔

"کاشف سے بات ہوئی تمہاری کیا۔" میرب کی آواز روبی کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"ہاں ہو رہی ہے۔" روبی نے میسج ٹائپ کرتے ہوئے کہا۔ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔

کاشف روبی کے ماموں کا بیٹا تھا۔

"علی کے بارے میں پوچھا؟" میرب نے اسے مسکراتے دیکھ اپنا غصہ قابو کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں راستے میں ہیں۔ پہنچنے والے ہیں۔"

میرب اور روبی کی دوستی بہت پرانی تھی۔ روبی کے کزن کاشف کا دوست ہے علی جو کہ میرب کا بوائے فرینڈ تھا۔

روبی، میرب اور علی ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔ جبکہ کاشف اپنے باپ کے ساتھ انکا بزنس سنبھال رہا ہے۔

کچھ روز پہلے اسکی اور علی کی کسی بات پہ بحث ہوئی تھی اور بحث جھگڑے میں بدل گئی۔ آج علی روبی کے گھر اس کے ساتھ صلح کرنے آنے والا تھا۔

وہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

میرب غصیل اور مغرور ہونے کے ساتھ انتہائی نک چڑی لڑکی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے دوستوں، اپنی سوتیلی ماں تنزیلہ اور علی کے ساتھ چھوٹی سی بات پہ جھگڑنے لگتی۔ اسکی اور علی کی یہ کوئی پہلی بار لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ اکثر ہوتی تھی۔

"ہم لوگ آ گئے۔" کاشف نے سرپرائز دینے والے انداز میں کہا۔

"او شکر ہے تم لوگ پہنچ گئے۔" روبی طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

"میرب۔۔۔ اکیلے میں کچھ بات کرنی ہے۔" علی نے کہا۔

روبی اور کاشف دونوں باتیں کرنے لگے۔

میرب اٹھی اور علی کے ساتھ ایک طرف چلنے لگی۔

"یہ رنگ مجھے پسند نہیں۔ کتنی بار کہہ چکی ہوں یہ شرٹ مت پہنا کرو۔" میرب نے ناک چڑاے انداز میں بولی۔

"مجھے اچھا لگتا ہے۔" علی نے کہا۔ "مجھے پسند ہے یہ کلر۔"

"میرے لیے کلر کی پسند نہیں بدل سکتے۔" میرب بولی۔ "بتاؤ۔"

علی نے اپنا رخ اسکی طرف کیا۔

"ہم جن سے محبت کرتے ہیں انکو اپنے مطابق بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ جیسے ہیں انہیں ویسے قبول کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔" علی نے اسکی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔۔۔ چلیں۔" میرب نے اس بات کو نظر انداز کیا۔

دونوں چلتے ہوئے واپس روبی اور کاشف کے پاس آ گئے۔ روبی اور کاشف کانوں میں ایک ہی ہینڈ فری کے ایک ایک ایئر پیس لگا کر کوئی گانا سن رہے۔

"روبی چائے تو پلا دو۔" علی نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا میں بنواتی ہوں چائے۔" اتنا کہہ کر وہ اندر کچن کی طرف چلی گئی۔

"ہو گئی صلح۔" کاشف نے علی کو پوچھا۔

"ہاں۔" علی بولا۔ "ہو گئی۔"

بادل چھانے لگے تھے اور ٹھنڈی ہوا بھی چلنے لگی تھی۔

"اندر چلیں۔" میرب نے کہا اور اٹھ کر اندر کی طرف جانے لگی۔

"میرب کو سچ میں محبت کرتے ہو؟" کاشف نے کرسی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

علی نے اسے دیکھا۔

وہ خاموش رہا۔

کاشف بھی اندر چلا گیا۔ وہ تنہا بیٹھا کچھ سوچنے لگا۔

بارش کی چند ننھی بوندیں اس پر گریں۔ وہ تیزی سے اندر کی طرف بھاگا۔

کیا وہ اس سے محبت کرتا تھا؟

اس بات کا جواب آگے کہیں آپکو مل جائے گا۔

---☆☆☆---

تنزیلہ اپنے کمرے میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی جب اسکے فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو۔" اس نے کال اٹھا کر موبائل کان سے لگایا۔

"میں شام کو آؤں گی۔" دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے کہا۔

اس نے موبائل بیڈ پہ اچھالا اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ اس نے کپڑے نکالنے کے بعد ایک سیاہ بیگ باہر نکالا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے بیگ کھولا۔ اندر پانچ ہزار کے نوٹوں کی چند گٹھیاں تھیں۔

"کافی ہے۔" اس نے خود سے ہی کہا۔

---☆☆☆---

وہ تینوں روبی کے کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ علی بالکونی پہ کھڑا آسمان سے گرتی بارش دیکھ رہا تھا۔

اچانک اسکا فون بجنے لگا۔ اس نے جیب سے فون نکالا۔

کال اسکی امی کی تھی۔

"اسلام علیکم امی۔" وہ بولا۔ "میں ٹھیک ہوں۔"

اسکا لہجہ بلکل کسی روبوٹ کی مانند تھا۔

"چند دن بعد آؤں گا۔" اس نے دوسری طرف کی بات سن کر کہا۔

بارش تیز ہو رہی تھی۔

"آنٹی تھیں کال پہ۔" پیچھے سے میرب کی آواز آئی۔"

وہ اسکی طرف مڑا۔ وہ چائے کے دو کپ پکڑے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"یہ لو۔" اس نے چائے کا ایک کپ اسکی طرف بڑھایا۔

"ہاں امی تھیں۔" اس نے کپ تھامتے ہوئے بتایا۔ "گھر کب آؤ گے یہی پوچھ رہیں تھیں۔"

"اس بار مجھے بھی لے چلو۔"

"ابھی نہیں پھر کبھی۔" علی نے اسکی بات ٹال دی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیوں نہیں۔۔۔ ہر بار ایسا ہی کہتے ہو۔" میرب نے ناراض لہجے میں کہا۔

"لے جاؤں گا یار کیا ہو گیا ہے۔"

"تم مجھ سے محبت تو کرتے ہو نا۔" میرب کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"ہاں کرتا ہوں۔"

جھوٹا۔

یا شاید وہ سچ میں محبت کرتا تھا۔

---☆☆☆---

تنزیلہ قد آور آئینے کے سامنے کھڑی ہونٹوں پہ سرخ لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ اس نے لائٹ پنک شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ پیروں میں فلیٹ سیاہ جوتے۔

(سرخ تم پہ بہت اچھا لگتا ہے۔) اسے جیسے کسی کی یاد آئی تھی۔

اس نے ٹشو سے ہونٹوں پہ لگے سرخ رنگ کو بے دردی سے مٹا دیا۔ کچھ منٹوں میں وہ تیار ہو کر نیچے آ گئی۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔

"صاحب کو بتا دینا میں رات کو دیر سے واپس آؤں گی۔" تنزیلہ نے ملازمہ کو کہا۔

وہ اپنی کار لے کر گھر سے باہر نکل گئی۔

---☆☆☆---

"مجھے جانا ہے۔" کاشف نے روبی کو بتایا اور کپ کو لبوں سے لگا کر چائے کا آخری گونٹ اندر انڈیلا۔

"کہاں۔۔۔ ضروری ہے؟" روبی بھی کھڑی ہو گئی۔

"ہوں۔۔۔ کچھ کام ہے۔" وہ بولا۔ "اچھا علی میرب میں جا رہا ہوں۔"

"خدا حافظ کاشف۔" میرب نے کہا۔

"مجھے رات کو کال کرنا۔" روبی نے دھیرے سے کہا۔

کاشف سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ وہ چھوٹے کٹے بالوں والا، گندمی رنگت کا مالک لڑکا تھا۔ اسکی دائیں آنکھ کے نیچے گال پہ کھرونچ کا نشان تھا۔

نیچے لونگ روم میں کاشف کی خالہ یعنی کہ روبی کی ماں بیٹھی اپنے موبائل پہ کسی کے کو ویڈیو کال کر رہیں تھی۔

"ایک منٹ۔۔۔ آؤ کیش۔" خالہ صنم نے موبائل والے شخص کو ہولڈ کرتے ہوئے کاشف کو اشارہ کیا۔

"نہیں خالہ ابھی جانا ہے۔" کاشف نے تیزی سے کہا۔

"پلیز۔۔۔ یہ خالہ نا لگایا کرو۔ صنم کہا کرو صرف۔" خالہ صنم نے شوخ لہجے میں کہا۔ "تم سے چند برس ہی بڑی ہوں۔"

"جی۔۔۔ جی میں جا رہا ہوں۔"

"اوکے بائے کیش۔"

کاشف باہر نکل آیا۔ کار نکالی اور مین روڈ پہ نکل آیا۔

اسکی آنکھیں سنجیدہ تھیں۔

---☆☆☆---

تنزیلہ نے کار ایک مڈل کلاس محلے کے باہر روکی۔ وہ گاڑی سے نکلی، آنکھوں پہ کالا چشمہ لگایا (دھوپ نہیں تھی لیکن اسے عادت تھی) اور چھاتہ نکال کر سر کے اوپر کھول دیا۔ بارش کی وجہ سے گلی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ دھیرے دھیرے ایک جانب چلنے لگی۔

دور کہیں پرانے گانے بج رہے تھے۔

وہ نزاکت سے چلتی ہوئی ایک مکان کے سامنے رکی۔ اس نے چشمہ ناک سے تھوڑا نیچے کھسکا کر مکان کو دیکھا۔ گھر کا دروازہ گلی سے تھوڑا اونچا تھا۔

وہ آگے بڑھی اور دروازے پہ دستک دی۔

دروازہ کھولنے والی ایک پیاری سی لڑکی تھی۔ بارہ تیرہ سالہ موٹی آنکھوں والی ایک پیاری سی لڑکی۔ اس نے مسکراتے ہوئے تنزیلہ کو دیکھا۔

"انمول۔۔۔ میری ننھی گڑیا۔" تنزیلہ نے بچی کو چومتے ہوئے لاڈ سے کہا۔

"اندر آئیں۔" انمول نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

وہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے مڑ کر باہر دیکھا۔ باہر کا منظر جیسے کچھ بدلا سا تھا۔ اسے ایک لڑکے کی جھلک دکھائی دی۔

"تنو۔۔۔ میری جان۔" ایک خاتون دروازے کی طرف آ رہی تھی۔

"امی کیسی ہیں۔" وہ مڑی اور ماں کے گلے لگ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں لیکن تم ٹھیک نہیں لگ رہی۔ کیا مرید نے کہا کچھ۔" ماں نے پریشانی سے پوچھا۔

وہ اندر چھوٹے سے لونگ روم میں آ گئے۔ انمول اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"نہیں امی۔ مرید بہت اچھے ہیں۔" تنزیلہ نے اپنا بیگ صوفے کی ایک طرف ڈال دیا۔

باہر بارش رک چکی تھی اور شام گہری ہو رہی تھی۔

"اور میرب وہ ٹھیک ہے تمہارے ساتھ۔"

"ہوں۔۔۔ سوتیلی ہوں تو سمجھے گی ہی نا۔" تنزیلہ نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"تم بیٹھو میں چائے لاتی ہوں۔" ماں اتنا کہہ کر اٹھیں اور پاس ہی بنے چھوٹے سے کچن میں چلی گئیں۔

وہ اٹھی اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر انمول کے کمرے میں آ گئی۔

"کیسی ہو۔۔۔ سکول کیسا جا رہا ہے؟" اس نے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

انمول کھڑکی کے سامنے کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں آپی اور سکول بھی ٹھیک چل رہا ہے۔" انمول نے اسکے ساتھ بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

"یہ لو تمہارا جیب خرچ۔"

اس نے انمول کی گال کو پیار سے چھوا اور بیگ سے کچھ پیسے نکال کر اسکو دیئے۔

"تنو چائے اوپر لے آؤں یا نیچے بیٹھ کر پیو گی۔" ماں نے کچن سے آواز لگائی۔

"نیچے آتی ہوں امی۔" اس نے جواباً آواز لگائی۔

"شکریہ آپی۔" انمول نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ اتنا کہہ کر نیچے چلی آئی۔

انمول وہیں بیٹھی نوٹ گننے لگی۔

---☆☆☆---

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کوئی ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی۔

"صلومی میں باہر جا رہا ہوں۔ کچھ چاہیئے تو بتا دو۔" کمیل نے آواز لگائی۔

اس نے ڈائجسٹ میز پہ رکھا اور باہر صحن میں آ گئی۔ اس نے بالوں کی چوٹی بنائی ہوئی تھی اور گہرے نیلے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔

"نہیں۔۔۔ کچھ نہیں چاہیئے۔ ویسے آپ کہاں جا رہے ہیں۔" صلومی جب بولتی تو اسکی تھوڑی میں ننھا سا گڈھا بنتا تھا۔

"یہی بس محلے کا ماحول دیکھنے۔ سیر کرنے۔" اس نے بتایا۔

"ہوں۔۔۔میں بھی چلوں سیر کیلئے ساتھ۔"

"چچی سے اجازت لے آؤ پھر چلتے ہیں۔" کمیل درخت کے نیچے لگی کرسی پہ بیٹھ گیا۔

صلومی چچی کے کمرے سے نکلی تو وہ کھڑا ہو گیا۔

"چلیں۔" صلومی نے کہا۔

دونوں صحن کو عبور کر کے دروازے تک آئے۔ دروازہ کھولا اور باہر نکل آئے۔

"ویسے تم لوگ۔۔۔میرا مطلب۔۔۔کیسے گزارا کرتے ہو؟" کمیل نے شرمندہ لہجے میں پوچھا تھا۔

وہ کئی سال بعد اپنی چچی کو ملنے آیا تھا۔ مجبوری میں پناہ لینے۔

"ابو نے میرے نام پہ چند دکانیں خریدیں تھی۔ انکو کرائے پہ دیا ہے۔" اس نے سادہ لہجے میں بتایا۔ "انہیں ہماری فکر تھی۔ یہ مکان اور دکانیں خفیہ طور پر خریدی تھیں ابو نے۔"

"اچھا۔۔۔" کمیل نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

دونوں چلتے ہوئے گلی سے باہر روڈ تک چلے آئے تھے۔

"چچا نے کبھی بھی ابو سے مدد نہیں لی۔ وہ بہت خوددار اور بہادر انسان تھے۔" وفقہ۔ "انکی دیتھ کے بعد تم لوگ بھی رحمت منزل میں نہیں رہے۔ میں جب بھی امی سے پوچھتا تو کہہ دیتیں کہ صلومی بہت دور رہنے چلی گئی ہے۔"

صلومی اپنے ذکر پہ رکی۔

"ہمیشہ تمہاری باتیں کرتے تھے۔۔۔میں اور آیان۔ پھر وقت کے ساتھ آیان بھی کچھ بدل سا گیا۔ شاید سب بدل جاتا ہے وقت کے ساتھ۔"

وقت کے ساتھ یاریاں دوستیاں، رشتے ناطے سب کچھ بدل جاتا ہے۔

"تو ملنے کیوں نہیں آئے کبھی۔" صلومی اسکی طرف گھومی۔

"کیونکہ چچا کی دیتھ نیچرل نہیں تھی۔ انکا قتل ہوا تھا۔ چچی نے ہمیں تم لوگوں سے دور رہنے کیلئے کہا تھا۔" کمیل نے اداسی سے کہا۔

"انکا قاتل ابھی تک آزاد ہے۔" صلومی کی آنکھیں بھیگنے لگی۔

"ظلم کا دور زیادہ نہیں چلتا۔" کمیل بولا۔ "اور جب ظلم کا دور ختم ہوتا ہے۔ ظلم کرنے والے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ انکے چہرے سیاہ ہونے لگتے ہیں اور وہ ہر چیز سے خوف کھانے لگتے ہیں۔"

بادل گرجے اور تیز بارش ہونے لگی۔

"گھر چلیں۔" صلومی کی آواز ابھری۔

"چلو۔"

دونوں نے اپنا رخ واپس موڑا اور گھر کی طرف چلنے لگے۔

---☆☆☆---

"پھر آؤں گی امی۔" تنزیلہ صوفے سے اٹھی۔ "مکان کا کرایا دے دینا اور چچا ریاض سے گھر کا راشن منگوا لینا۔"

"تنو۔۔۔ کچھ نہیں۔" ماں کچھ کہتے کہتے رکی۔

تنزیلہ باہر گلی میں نکل آئی۔ بارش ہو رہی تھی۔ اس نے چھاتہ سر کے اوپر کھولا۔

(سرخ پہنا کرو۔)

یہ یادیں انسان کا کبھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ یا پھر انسان یادوں کو نہیں چھوڑتا۔

(مجھے روز ملا کرو۔)

"تنو۔۔۔" ایک مردانہ آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ مڑی۔

ایک پرکشش نوجوان اسے حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اسکے بال ماتھے سے چپک چکے تھے اور اسکے کپڑے بھی بھیگے ہوئے تھے۔ اسکی گہری براؤن آنکھوں میں اداسی تھی۔

وہ اسکے سامنے آگیا۔ چند قدموں کا فاصلہ۔

"ساغر۔"

"تنزیلہ۔"

—☆☆☆---

(جاری ہے)

باقی آئندہ

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

safareadab.com

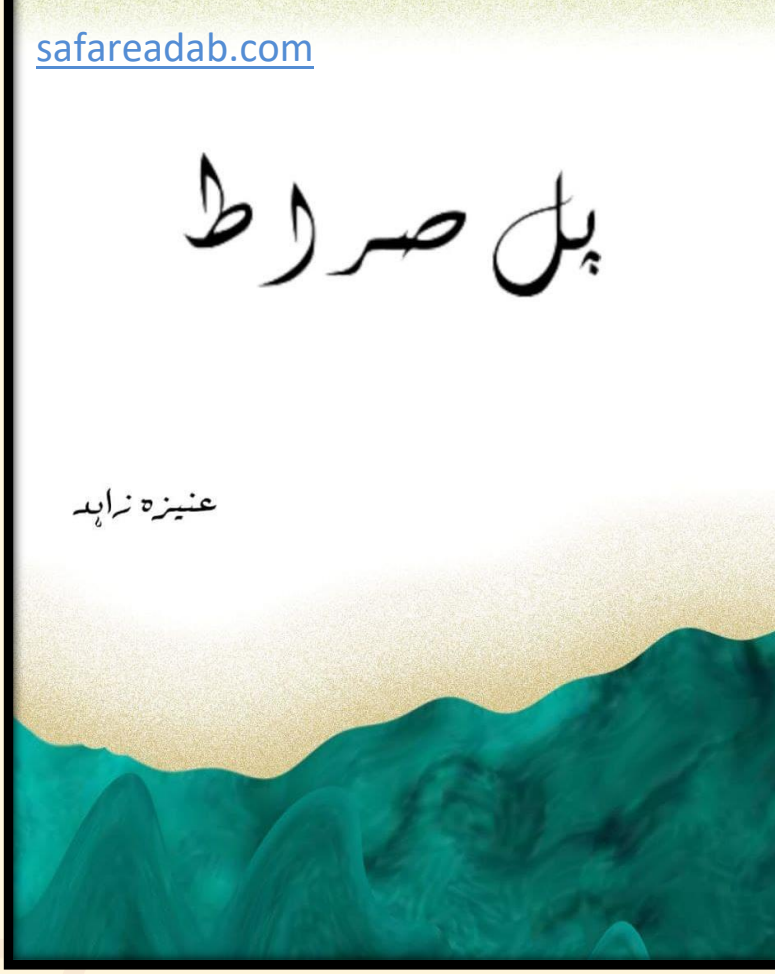

"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہو نا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آ جائے گی۔'

اسکے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

safareadab.com

"یہاں دستخط کرو غازہ ! "کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بُری طرح کانپے تھے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی جست میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! "سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔

"سچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا ادھورا رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلیج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمیٹڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلیج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلیج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ح جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگِ حبِّ الٰہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھٹکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے تو بچ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پُر یقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ٹائپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آئمہ۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ ور اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

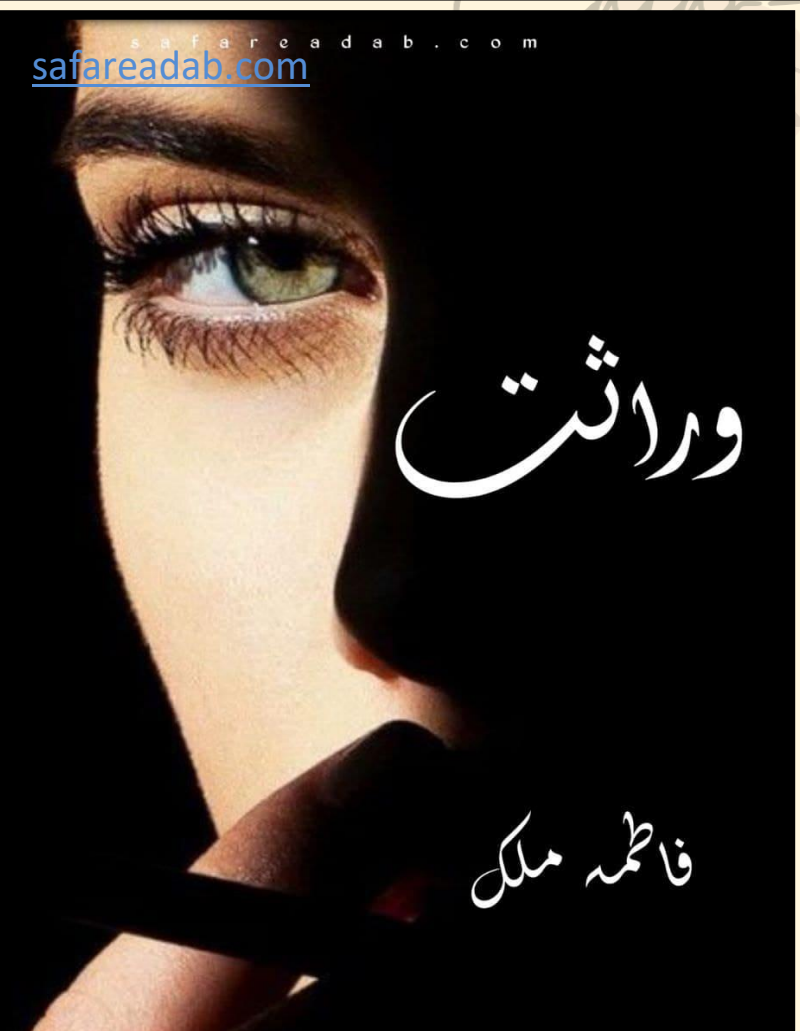

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا لیتی؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زوردار تھپڑ مار دیا۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آ چکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے پلٹی اور حسن خان وہیں دل تھام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج حسن مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے ہسبنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول زینب کی ایک جھلک

"ارسم"!

کچھ دیر بعد سر جھکائے گھاس پر گرے پتوں کو اٹھا کر توڑتے ہوئے اس نے مصروف سے انداز میں پکارا۔

"جی۔"

وہ فوراً متوجہ ہوا۔

"کبھی سوچا ہے اگر ہم دونوں الگ ہو گئے پھر کیا ہو گا؟"

ارسم بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی سر جھکائے مصروف انداز میں پتے توڑ رہی تھی۔

"تمھیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"ایسے ہی۔"

اس کے ہاتھوں کی حرکت رُکی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔

"اگر کبھی ہماری زندگی میں ایسا لمحہ آئے جہاں سے آگے ہم دونوں کا ساتھ چلنا ممکن نہ ہو اور ہم الگ ہو جائیں تو تمھارا ردِ عمل کیا ہو گا۔"

"اوہ کم آن۔۔" وہ جھلایا تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم دونوں الگ ہو ہی نہیں سکتے۔"

"اگر ہو گئے۔"

زینب ابھی بھی اپنی بات پر اڑی تھی۔ ارسم کو کچھ کھٹکا تھا۔ اس نے ٹیک چھوڑی اور زینب کے قریب کھسکا پھر فکر مندی سے بولا۔

"زینب کچھ ہوا؟ گھر میں کوئی مسئلہ۔۔۔"

"نہیں۔"

اس نے گھٹنے پر تھوڑی ٹکائے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟"

"میں تمھیں صرف فرض کرنے کا کہہ رہی ہوں۔"

زینب نے اپنی بات سمجھانی چاہی۔ ارسم اس کے مزید قریب کھسکا پھر اس کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے یقین سے بولا۔

"میں ایسا فرض بھی نہیں کرنا چاہتا اور کچھ نہیں میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہم کبھی الگ نہیں ہوں گے اور تم کبھی مجھ سے علیحدہ ہونا بھی نہیں چاہو گی۔ ہے نا؟"

آخر میں اس نے اُمید سے پوچھا۔ اسے لگا تھا زینب فوراً ہاں کر دے گی لیکن زینب کچھ نہ بولی۔ اس کی اُمید بھری نظریں زینب کے چہرے پر جمی تھی۔ جو بے تاثر تھا۔ چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر زینب آہستہ سے اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالتی ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

"ایک بات کہوں۔ لوگ بُرے نہیں ہوتے۔ بس ان سے وابستہ ہماری توقعات بڑی ہوتی ہیں۔۔۔"

پھر اس نے گھٹنے سے تھوڑی اٹھائی اور نظریں اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ ہمیں لوگوں سے ایسی توقعات لگانی ہی نہیں چاہیے جو بعد میں ہمارے لئے تکلیف کا باعث بنیں۔ پھر میں کیوں تم سے ایسی بات کہوں جس پر قائم رہنا بعد میں میرے لئے بھی مشکل ہو جائے۔"

ارسم نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ یہ غیر متوقع تھا۔ زینب نے نظریں نہیں پھیریں۔ وہ آسمان کو ہی دیکھتی رہی۔

"زینب"!

Safar-e-Ashq
BEING THE STRING OF FOLLOWERS

اس نے بے یقینی سے پکارا۔ اس کے لہجے پر زینب نے نظروں کا رُخ پھیرا۔ پھر وہی ٹھنڈے تاثرات سے اسے دیکھتی بولی۔

"ارسم یہ دنیا ہے۔ ہمیں یہاں ہر چیز کیلئے تیار رہنا پڑتا ہے کیا پتہ۔۔"

لیکن اب وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

"بس کرو، مت بولو۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ مت جیا کرو اتنی تلخی میں۔ مت کیا کرو اتنی تلخ باتیں۔ تم جانتی ہوں تمھیں دنیا نے اتنا تلخ بنا دیا ہے کہ اب تم اپنی باتوں سے کسی کا دل رکھنا بھی چاہو تو نہیں رکھ سکتی۔۔۔"

وہ آج کل بہت بار ایسی بات کہہ چکی تھی لیکن ارسم نظر انداز کرتا تھا۔ لیکن آج تو حد ہی ہو گئی تھی وہ تو سیدھا سیدھا ارسم کو ہی خود سے کوئی اُمید نا لگانے کو کہہ رہی تھی۔

"ارسم دیکھو۔۔۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن آج اس نے زینب کو چپ کروا۔

"بس۔۔۔۔ تم جو بھی کہو۔ مجھے پتہ ہے تمھیں زندگی میں جب بھی کوئی مشکل آئی تم سب سے پہلے مجھے ہی کال کرو گی۔"

اس نے جیسے خود ہی اندازہ لگایا۔ زینب تلخی سے مسکرائی۔

"اگر تم ایسا چاہتے ہو تو تم نے مجھے بہت غلط لیا ہے۔ میں وہ لڑکی نہیں ہوں جو مردوں کے سہارے کھڑا ہونے سیکھے۔ جو مردوں کے بغیر کچھ کرنا سکے۔ میں نے اپنے باپ کے علاوہ کبھی کسی کا سہارا نہیں لیا۔ میں وہ ہوں جو اپنے راستے میں پڑے پتھر خود ہٹا سکتی ہے۔ اس لئے اگر مجھ پر کوئی مصیبت آئے گی بھی نا تو مجھے تمھیں کال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں کلک کریں۔

safareadab.com

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جا سکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب